© rasailojaraid.com

اس طرح پروٹسٹنٹوں پر کلیسا کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اس بات کی مطلق کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ مفاہمت کے ذریعہ سے دوبارہ اُن کو کلیسائے روما سے وابستہ ہونے کا موقع فراہم کیا جاتے۔ انجیل کے لاطینی ترجمے ولگیٹ (Vulgate) کو واحد مستند ترجمہ قرار دیا گیا۔ عقائد کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا تاکہ ان میں کوئی شبہ اور ابہام باقی نہ رہے۔ کلیسائی نظم و نسق میں سخت ڈسپلن پیدا کیا گیا اور جو خرابیاں فحش کاریوں، اقربا نوازیوں اور اسی نوع کی دیگر بدعنوانیوں سے پیدا ہو گئی تھیں انہیں دور کیا گیا۔ پاپا کے اقتدار کو پہلے سے زیادہ مستحکم کیا گیا۔ کونسل کی تمام کارروائیوں اور اس کے فیصلوں میں تنگ نظری اور قدامت پسندی چھائی ہوئی رہی۔ پاپائیت کے ادارے کو جو نقصان پہونچنے کا احتمال پیدا ہو گیا تھا وہ بے بنیاد ثابت ہوا۔ حقیقت ہے کہ اس کونسل نے نہ صرف رومن کیتھولک مذہب کو زیادہ استوار بنیادوں پر قائم کر دیا بلکہ بعض اندرونی اصلاحات کے ذریعہ سے اس کے جسد کی کثافتوں کو دور کر دیا۔ گو اس کے ذریعہ سے سولھویں صدی کی مذہبی تفریق نہیں مٹ سکی، مگر یہ خوف ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا کہ اصلاح پسندوں کے پیہم حملوں سے کلیسائے روما اور پاپائیت کا قلع قمع ہو جاتے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ آج بھی پوری عیسائی دنیا میں نصف سے زیادہ تعداد رومن کیتھولک مذہب کے پیرؤوں کی ہے۔ اس تمام کامیابی کا سہرا مجموعی طور پر جوابی اصلاح کی تحریک کے سر ہے۔ اگنیشیز لائلا اور مجلس ٹرنٹ نے بلاشبہ پاپائیت اور کلیسائے روما کو ایک نئی زندگی بخشی۔ اور پروٹسٹنٹ تحریکوں کو جگہ جگہ سپر ڈالنے پر مجبور کیا۔

تفتیش عقاید (INQUISITION)

جوابی اصلاح کی تحریک میں "تفتیش عقاید" کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ "انکوئزیشن" سے کلیسائے روما کو کوئی طویل المدتی فائدہ پہونچا یا اس سے اس کو کوئی دیرپا استواری حاصل ہوئی۔ مگر سولھویں صدی کی تنگ نظری اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدم رواداری کی فضا میں مذہب سے برگشتہ ہونے والوں کو سخت سزائیں دیکر الحاد اور ارتداد کو روکنے کی کامیاب کوشش کی جاتی رہی۔ کلیسائے روما پروٹسٹنٹ تحریک کو دبانے کے لیے اس ہتھیار کو برابر استعمال کرتا رہا۔ جہاں جہاں پاپائیت کا زور چلتا تھا اس سے خوب کام لیا گیا۔ انکویزیشن کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ ہمیشہ سے الحاد کو روکنے کے لیے اس سے کسی نہ کسی شکل میں کام لیا جاتا رہا تھا۔ اسپین میں سنہ ۱۴۸۳ء میں مسلمانوں اور یہودیوں کو سزا دینے کے لیے انکویزیشن کی ایک مشنری قائم کی گئی تھی تاکہ یہ لوگ اپنے مذہب سے دست بردار ہو کر عیسائیت میں جذب ہو جائیں۔ سنہ ۱۵۴۲ء میں پوپ پال سوم کے حکم سے انکویزیشن کی عدالتیں ہر ایسے ملک میں قائم کی گئیں جو ان کے قائم کرنے کے لیے آمادہ تھا۔ یہ عدالتیں اپنے ظالمانہ طریقۂ عمل کی وجہ سے ہمیشہ بدنام رہیں۔ الحاد کے شبہ پر لوگ پکڑے جاتے اور ان کے عقاید کی تفتیش کی جاتی۔ تفتیش میں نت نئی اذیتیں اور جسمانی آزار دیئے جاتے تھے۔ انسانی ذہن اذیت رسانی اور عقوبت کے جو بھی ممکنہ طریقے سوچ سکتا ہے ان سب سے کام لیا جاتا تھا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ اس ظالمانہ بربریت سے لوگ خائف ہو کر الحاد اور ارتداد کو ترک کر دیں گے۔ انکویزیشن کے ذریعہ سے مذہب کے نام پر انسان پر جو ظلم کیا گیا اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس جنون کے زیر اثر انسان انسانیت ہی کو خیرباد کہہ دیتا ہے۔ اور اس پر درندگی اور بہیمت سوار ہو جاتی ہے۔ کلیسائے روما کے حامی اس کو ثواب دارین کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ موقتی طور پر اس سے خوف و ہراس ضرور پیدا ہوا مگر جہاں بھی اس ہتھیار کو زیادہ وسیع پیمانہ پر استعمال کیا گیا وہاں منفی نتائج برآمد ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجاہد آزادی

مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی گوپاموی

از : جناب محمد صلاح الدین عمری متعلم ایم۔ اے (عربی) علی گڑھ

(۲)

پھر گیارہ ماہ کے بعد مدار النساء نامی ایک خاتون کا بحیثیت اتا تقرر ہوا۔ بظاہر پھوپھی کی پرورش زیر رہنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی والدہ کا انتقال پیدائش کے بعد ہی ہوگیا تھا، جیساکہ مولانا ابرار حسین فاروقی نے بھی تاثر دلاوری میں یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا تائب لکھتے ہیں کہ جب مولانا ۵ سال کے ہوئے تو بسم اللہ خوانی (تسمیہ خوانی، دکن کی زبان میں) کی رسم ادا ہوئی اور اب گویا تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مولانا شہید نے کن کن اساتذہ سے استفادہ کیا۔ مولانا تائب نے بغیر کسی تفصیل کے مولانا کی ذہانت وذکاوت کو بیان فرماتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ[۱]:

"جب عالم ہوگئے تو فن سپہ گری سیکھا اس کے بعد دفتری اور انتظامی امور کی تربیت حاصل فرمائی اور اس میں کامل ہوئے۔"

اس کے بعد مولانا شہید کے ترکِ وطن کی عمر (۲۲) سال لکھی ہے۔ یعنی اس عمر میں

۱۔ مثنوی تاریخ احمدی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ سب سے پہلے حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد تین سال تک کی عمر کا ذکر مختصراً کرتے ہوئے بڑھاپے اور ریاض و مجاہدہ کا یوں اشارہ کیا ہے: ۱؎

سو تیس سے جس گھڑی وہ ہوتے — فنا ذات حق میں وہ حق گو ہوتے
مگر عمر میں بعض صورت شناس — زیادہ بھی کرتے ہیں اس سے قیاس

بقول مولانا ابرار حسین فاروقی کے، "مولانا تائب نے عمر کا یہ قیاس اس زمانہ کا کیا ہے جبکہ حضرت مولانا لکھنؤ میں تشریف فرما ہوتے تھے" ۲؎ اس زمانہ کی عبادات و اشغال کو مولانا تائب نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ: ۳؎

بہت خوب حضرت کے اوقات تھے — کہ مشغول طاعت میں دن رات تھے
یہ اوراد و اشغال معمول تھے — کہ آٹھوں پہر حق سے مشغول تھے

خلوت و انجمن کا نقشہ کس خوبصورت انداز میں کھینچا ہے ذرا دیکھئے: ۴؎

نہ ہوتا تھا انبوہ صحبت مخل — کہ تھا معتکف کنج خلوت میں دل
مراقب وہ رہتے تھے شام و پگاہ — نہ کھلتی تھیں آنکھیں مگر گاہ گاہ
کوئی دم خدا سے جدائی نہ تھی — جگہ غیر نے دل میں پائی نہ تھی

مراقبہ اور استغراق کا آغاز پہلے مرشد سید قربان علی شاہ کی صحبت میں ہوا ... محراب شاہ قلندر کی صحبت نے اس کو مزید جلا بخشی اور عروج پر پہنچا ... جے پور میں قیام کے دوران مولانا ٹونک بھی تشریف لے گئے تھے ... سماع پر اعتراضات کیے، حضرت نے پہلے تو دلائل سے قائل کر ... جب اس سے کام نہ چلا تو بقول مولانا تائب علی امتحان ہوا ...

دیا حکم قوال گانے لگے — ... ساں ...

۱؎ مثنوی تواریخ احمدی ... ۲؎ مآثر دلاوری ... ۳؎ ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(مثنوی آثار افغانی)

ہوا شعلہ آواز کا مشتعل — اُبلنے لگا جوش میں سوز دل
کھلے دل کے پردے ہوئی آنکھ بند — تصور کی پہونچی فلک پر کمند

چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ : ؏

وہ بدمست جب راگ سُن کر ہوئے — یہ دیکھا کہ بے ہوش اکثر ہوتے
کہا عجز سے سنئے اے باکمال — درست آپکا ہے یہ سب حال و قال

اگرچہ آپ کا مسلک قادریہ تھا لیکن سماع کا ذوق غالباً سید قربان علی شاہ کی تعلیمات کا نتیجہ تھا جس پر علماء وقت کو اعتراض تھا۔

تصوف میں ریاض و مجاہدہ کی بنیادی شرط کم خوردن و کم خوابیدن کے اصول پر مولانا تازندگی قائم رہے :

کیا جذب و مستی نے تاراج ہوش — غذا ہفتہ عشرہ میں کرتے تھے نوش
اگر آگئی تو غذا نوش کی — نہ آئی تو وہ بھی فراموش کی ۲۶

جو روش آپ کی خاندانی خصوصیت تھی جس میں درویشی کی حالت میں بھی کوئی فرق نہ آیا: ۲۷

امارت میں بھی فقر کا طور تھا — کہ غیر از نذر صرف زردار تھا
جو درویش صورت وہاں آگیا — تہی بخت بھی کچھ نہ کچھ پاگیا
جو کچھ لوگ انھیں سیم و زر دیتے تھے — فقیروں کو سب نذر کر دیتے تھے

مولانا تائب نے آپ کی سخاوت و حلم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے کسی وقت چند افغانوں سے ایک گھوڑا خریدا تھا جس کی قیمت فوراً ادا کر دی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد کچھ افغانی آکر درشت کلامی سے پیش آئے کہ گھوڑے کی قیمت ابتک ہم کو نہیں ملی۔ مولانا نے انتہائی حلم و نرمی سے جواب دیتے ہوئے ان کو دن اور ادائگی قیمت کا وقت بتایا تو وہ بہت شرمندہ ہوئے اور

۲۶: ص۱۲ ۲۷: ص۱۳ مثنوی تواریخ احمدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور اپنے افلاس کا اظہار کرنے لگے۔

کہا سب نے مفلس تھے اے باکرم　　اسی وجہ سے جھوٹ بولے تھے ہم

افلاس کے اس اظہار اور قصور کے اعتراف نے مولانا کے نرم دل کو اور بھی نرم اور سخی بنا دیا چنانچہ ان کے مطالبہ سے دو چند عطا فرمایا۔ اس کے بعد مولانا تائب مرحوم کی حلم و سخاوت کی خصلت کو اور اجاگر کرتے ہوتے لکھتے ہیں: ۲۵

حلیم اور جری تھے شہ بے عدیل　　غم و دم ہے تعریف تیغ اصیل
جو صحت ملک زرنثاری میں تھی　　طبیعت زمیں خاکساری میں تھی
اسی حلم کے خوشہ چیں ہیں شجر　　جو دیتے ہیں ہر سنگ زن کو ثمر

مولانا کی وطنیت کے متعلق سب سے پہلے فوربس ڈپٹی کمشنر فیض آباد نے ۲۰ فروری ۱۸۵۶ء کو جو اپنی رپورٹ لکھنؤ بھیجی تھی، اس میں فیض آباد میں انتشار کی تفصیلات کے بعد مولانا احمد اللہ شاہ کو فقیر کے لقب سے یاد کرتے ہوتے لکھا ہے کہ:

"اگرچہ اس فقیر کا بیان ہے کہ وہ مدراس کی طرف سے آیا ہے لیکن مجھ (ڈپٹی کمشنر) کی رائے ہے کہ وہ یا تو ملتان کا رہنے والا ہے یا ماورائے سندھ کا، جو کاغذات اس گروہ کے پاس ملے ہیں وہ بہت ہی مشتبہ ہیں۔" اس کے بعد لکھا ہے کہ "کامل تحقیقات کے بعد نتائج سے اطلاع دے گا۔ اس کو امید ہے کہ یہ تحقیقات اور اس کے نتائج اس 'مجنون' کے سابقہ حالات، اس کے ارادوں اور اس کے تاریخی پس منظر پر کافی روشنی ڈالیں گے۔" ۲۶

اس رپورٹ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا نے اپنا وطن مدراس بتایا لیکن ڈپٹی کمشنر بلا کسی وجہ کے اس بیان کو غلط قرار دے کر اپنی طرف سے ملتان اور ماورائے سندھ کو آپ کا وطن قرار دیتا ہے۔

---

۲۵ مثنوی تواریخ احمدی۔　۲۶ رپورٹ ۹۷، ۲۰ فروری ۱۸۵۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسپیشل جوڈیشل کمشنر لکھنؤ کپتان تھرمس بورن اپنے ایک دوست کے ایک خط کے حوالہ سے جس نے فیض آباد کے کمشنر کی وہ رپورٹ دیکھی تھی جس میں ولدیت وغیرہ کی تفصیلات تھیں لکھتا ہے کہ " مولوی فیض آبادی ایک مسلمان، جو دکن کا رئیس زادہ ہے، فیض آباد کی سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا اور اس کے ساتھ سات آٹھ آدمی تھے۔ وہ اپنے آپ کو فقیر کہتا ہے اور انگریزوں کے خلاف بلاخوف وخطر جہاد پر آمادہ ہے ۔"

اخبار سحر سامری (مارچ ۱۸۵۸ء) اپنے فیض آباد نامہ نگار کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ " فیض آباد سے ایک آشنائے ہمدم کا خط آیا۔ یہ حال صاف صاف لکھا کہ ایک شخص مسلمان، رئیس زادگان ملکِ دکن (مدراس) سے ساتھ آٹھ آدمی ہمراہ لے کے سرائے فیض آباد میں مقیم تھے .... وغیرہ "

حضرت مولانا احمد اللہ شاہ شہید کی تعلیم بھی رئیسانہ انداز میں ہوئی تھی اگرچہ تفصیل نہ معلوم ہو سکی کہ کون کون اساتذہ آپ کے معلم تھے لیکن دینی تعلیم کے ساتھ آپ کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا جس کا ثبوت فیض آباد کے ڈپٹی کمشنر کی رپورٹ فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ ڈپٹی کمشنر پوری رپورٹ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ " وہ (مولانا احمد اللہ شاہ) انگریزی بولتا اور سمجھتا ہے، اگرچہ انگریزی ناقص ہے " مولانا ابرار حسین تاثر دلاوری میں لکھتے ہیں کہ " ڈپٹی کمشنر نے لفظ "ناقص" کا محض اہانت کی غرض سے اضافہ کیا ورنہ جس کی نہ صرف انگریزی تعلیم ہوئی ہو بلکہ اس کو انگلستان کی سیاحت کا بھی موقع ملا ہو اور جہاں ممتاز انگریزوں سے ملاقاتیں اور دعوتیں ہوئی ہوں اس کی انگریزی بہر حال ناقص نہیں ہو سکتی۔"

تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو فنونِ جنگ پر بھی مہارت حاصل تھی جس کا ثبوت آپ کے عظیم جنگی معرکوں سے بخوبی ملتا ہے۔

۱؎ تاثر دلاوری، ۲؎ رپورٹ نمبر ۵ ۷ر فروری ۱۸۵۸ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الغرض جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا، حضرت مولانا احمد اللہ شاہ شہید پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا لیکن ان سب کا ماخذ و مرجع یا تو غیر ملکی مصنفین کی تصانیف تھیں یا محض قیاس آرائیاں اور سنی سنائی باتیں۔ لیکن مولانا محمد ابرار حسین فاروقی صاحب نے پہلے اپنی کتاب ماثر دلاوری ۱۹۶۶ء اور پھر مرآہ احمدی (شرح مثنوی تواریخ احمدی ۱۹۷۳ء) لکھ کر مولانا احمد اللہ شاہ کی ذات پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو چاک کر کے ان کی زندگی کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جو ابتک پردہ راز میں تھے۔ اتنا تو پتہ چلتا تھا کہ مولانا شہید انتہائی شجاع اور محب وطن مجاہد تھے۔ ان کے خاندان کے سلسلہ میں کئی نظریات میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ وہ مدراس کے رہنے والے تھے، علاقہ اودھ کے ہندو مسلم عوام کو ان سے بے پناہ عقیدت تھی، ہندو زمیندار اور رہنما اُن کا انتہائی احترام کرتے تھے۔ انگریزوں کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن ان کی بے نفسی کی خصوصیت تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ خود مولانا احمد اللہ شاہ نے اپنے ماضی پر اس خاموشی سے پردہ ڈال دیا کہ انگریز حکمرانوں کو ذرا بھی خبر نہ ہو سکی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے عزیز وطن کی خدمت بے لوث میں اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔ ان کا مطالبہ تھا تو صرف یہ ایک صالح انقلاب برپا ہو۔ اس کے برعکس ان کے ہم عصر دوسرے انقلابی لیڈروں کی خواہش صرف یہ تھی کہ ان کو ان کی عظمت گم گشتہ واپس مل جاتے۔

مولانا کے فیض آبادی ہونے والی بات کا ثبوت علاوہ اس کے اور کچھ نہیں کہ اکثر مصنفین اور اس وقت کے انگریز افسروں نے ایسا خیال ظاہر کیا تھا۔ اسی طرح تانا شاہ والی بات بھی معتبر روایات سے غلط ثابت ہو گئی مدراس والی بات کسی حد تک لیکن آپ کو مدراس کا تسلیم کر لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ اودھ کے لوگوں سے آپ کے اتنے گہرے تعلقات کس بنا پر تھے۔ آپ کو اس علاقہ کی تہذیب اور زبان پر کیسے مہارت حاصل ہوئی کہ آپ ان زمینداروں اور عوام میں اتنا مقبول ہو سکے

© rasailojaraid.com